# کتاب شہادت کا افتتاحیہ۔ مسلم ابن عقیل

جناب مولانا رضی الدین حیدر صاحب قبلہ ایم۔اے۔ بانئ یادگار حسینی انٹر کالج، الہ آباد

ناروے کا مشہور مفکر اور ادیب ہنرک ایسن کا خیال تھا کہ: ''اکثریت عموماً جاہل ہوتی ہے، حقیقی رہبری اور دلسوزی صرف ایک آدھ شخص کا حصہ ہے جو عوام کی فلاح و بہبود کے لئے سب کچھ نثار کر دیتا ہے۔ مگر اکثریت اس کی قدر نہیں کرتی اسے ایذا پہنچاتی رہتی ہے۔ اس کو تباہ کرتی ہے اور خود بھی تباہ ہوتی ہے۔''

آپ ان تاثرات کی روشنی میں حالات کی رفتار کے اس موڑ پر نگاہ کریں جہاں سے حادثہ کربلا کے ظاہری راہوں کی تعین ہوتی ہے۔ معاویہ کا انتقال، یزید کی ولی عہدی، طلب بیعت، مدینہ سے روانگی، راہ کی صعوبتیں، مکہ کا قیام، دشمنوں کی ریشہ دوانیاں، حاجیوں کے بھیس میں قتل کی سازشیں وغیرہ وغیرہ سب اسی واقعہ کے اسباب کی بیشمار کڑیاں ہیں مگر انجام ہنوز آنکھوں سے اوجھل ہے، اور تاریخی بنیاد پر ابھی کربلا کی پیشینگوئی قبل از وقت ہے لیکن اہل کوفہ کے ہزارہا خطوط، متعدد وفود، تعلیمات روحانی کے لئے ان کی تڑپ کا اظہار، حق اور عدل کی رہنمائی کے لئے دعوت پیہم پر اصرار، یہ وہ حالات تھے جنھوں نے امام کو مکہ میں ترک قیام پر آمادہ کر دیا۔ لیکن امامت کی دوررس نگاہوں نے پھر بھی احتیاط ضروری سمجھی یہ احتیاط محض تحفظ جان کی خاطر ہوتی تو بھی قابل قدر تھی۔ مگر یہ احتیاط جان سے زیادہ ان مقاصد کی حفاظت کے لئے برتی گئی جو حضرت کی جان سے وابستہ تھے۔ اہل کوفہ کے اصرار پر اگر بس اسی وقت تمام افراد قافلہ کو لے کر امام کوفہ کی طرف روانہ ہو جاتے تو آج فوج کشی اور تسخیر ملکی سے تعبیر کرنے والوں کو زیادہ قوت کے ساتھ یہ کہنے کا موقع مل جاتا۔ اور اس طرح وہ دعوت وہدایت کے پاک ترین جذبہ کو اپنی بدنفسیوں کے رنگ میں رنگ کر پیش کرنے میں کبھی نہ چوکتے۔

امام اہل کوفہ کی درخواست بالآخر منظور کر لیتے ہیں تاکہ پیغمبرؐ کے روحانی اور حقیقی جانشین ہونے کی وجہ سے طالبان رشد وہدایت کی طرف سے بے اعتنائی کا الزام نہ لگنے پائے مگر اپنے چچازاد بھائی جناب مسلمؑ ابن عقیل کو اپنا نائب بنا کر ان کی جانب بھیجتے ہیں، جماعت کی طرف ایک فرد کا جانا خود اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے پیش نظر تسخیر ملکی نہیں بلکہ مفاد عامہ اور اصلاح خلق کا جذبہ کارفرما ہے اس امر کا ثبوت حضرت کی اس تحریر سے بھی ملتا ہے جو آپ نے اہل کوفہ کے بے شمار خطوط کے جواب میں لکھ کر جناب مسلم کو دی تھی اور فرمایا تھا کہ وہ اسے اہل کوفہ کے سامنے پڑھ کر سنا دیں گے۔

''ہانی اور سعید تمہارے خطوط
لے کر میرے پاس پہنچے اور یہ دونوں

شخص تمہارے سب سے آخری قاصد ہیں۔ جو کچھ تم نے لکھا ہے میں نے غور سے پڑھا اور سمجھا۔ تم میں سے اکثر کا قول ہے کہ ہمارے سر پر کوئی امام نہیں۔ آپ آیئے شاید خدا ہم کو آپ کی بدولت حق پر مجتمع کردے، اچھا تو میں تمہاری جانب اپنے بھائی اور چچا کے لڑکے اور اپنے محل اعتماد عزیز قریب کو روانہ کرتا ہوں۔ اور انھیں حکم دیتا ہوں کہ وہ مجھ کو تمہارے حالات سے اطلاع دیں اگر انھوں نے اطلاع دی کہ تمہاری جماعت اور اہل حل وعقد اس امر پر جسے تم نے اپنے خطوط میں ظاہر کیا ہے متفق ہیں تو میں عنقریب تمہاری طرف آتا ہوں اور امام کے کوئی معنی نہیں ہیں سوائے اس شخص کے جو کتاب الٰہی پر عامل ہو اور عدالت کا پابند ہو اور حق کا متبع اور اپنی ذات کو خدا کی مرضی پر وقف کئے ہوئے ہو۔ والسلام۔''

جناب مسلم کتاب شہادت کے وہ افتتاحیہ ہیں جن سے اسباب کرب و بلا کے نقوش وخطوط بہت صاف اور روشن ہوگئے ہیں۔ لیکن ایک سوال قدرتی طور پر پیدا ہوتا ہے کہ افراد اہلبیتؑ میں اور بھی بنی ہاشم اور آل ابوطالبؑ موجود ہیں مگر اس سفارت عظمٰی اور نیابت حق کے لئے امامت کی نظر انتخاب آخر جناب مسلم ہی کی ذات پر کیوں ٹھہری؟ مصلحت امام کی روحانی حقیقتوں تک جنہیں مشیت الٰہی سے تعبیر کیا جائے، ہم مادی نقطہ نظر والے کہاں دیکھ سکتے ہیں مگر تاریخ کی بکھری ہوئی کڑیوں کو جوڑنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جناب مسلم کے والد بزرگوار جناب عقیل ایک وقت میں معاشی کشمکش کی تاب نہ لاکر سیاست اموری کے شکار ہوگئے تھے اور آپ حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ سے بظاہر جدا ہوکر معاویہ کے دارالخلافہ دمشق میں پہنچ گئے تھے جہاں انھیں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا تاکہ امیر المومنینؑ کے حقیقی بھائی کا ان کے پاس ہونا فتحمندی کے علاوہ امیر شام کی حقانیت سے بھی تعبیر کیا جاسکے۔ عام حالات کے معیار سے اگر دیکھا جائے تو یہ محض معاشی الجھنوں سے چھٹکارا پانے کی ایک صورت تھی اور بس مگر تاریخ کا یہ معمولی واقعہ بھی غلط تعبیرات کے لئے معین بن جاتا ہے اور کج فہم جناب عقیل کا علوی جماعت سے علاحدگی کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں۔ حالانکہ یہی عقیل ہیں جنھوں نے واقعہ تحکیم کے بعد جب ضحاک علوی مقبوضات پر حملہ میں زک اٹھا کر راہ فرار اختیار کرتا ہے اور اسی سلسلہ میں کچھ کوفیوں نے بھی امیر المومنینؑ کا ساتھ نہ دیا تو اس موقعہ پر مکہ سے حضرت کی نصرت وامداد کے لئے ایک خط میں پیشکش کی ہے اس کے جواب میں مولاؑ نے ایک طویل خط تحریر فرمایا تھا جس کا ایک فقرہ یہ تھا: لَاْ يَزِيْدُنِیْ كَثْرَةُ النَّاسِ حَوْلِی عِزَّةً وَتَفَرُّقُهُمْ عَنِّی وَحْشَةً۔ یعنی اپنے گرد لوگوں کا جمگھٹا دیکھ کر میری ہمت

نہیں بڑھتی اور نہ ان کے چھوٹ جانے سے مجھ میں گھبراہٹ پیدا ہوتی ہے۔

کثرت اہل وعیال کی وجہ سے جناب عقیل اس حد تک پریشان حال تھے کہ خود امیر المومنینؑ نے ایک موقع پر فرمایا تھا:

**وَاللّٰہِ لَقَدْ رَأَیْتُ عَقِیْلاً وَقَدْ اَصْلَقَ حَتّٰی اشْتَمَاحَنِیْ مِن بُرِّکُمْ صَاعاً وَرَأَیْتُ صِبْیَانَہٗ شُعْثَ الشُّعُورِ غُلْبَ الْاَلْوَانِ مِنْ فَقْرِھِمْ کَاَنَّمَا سُوِّدَتْ وُجُوْھُھُم بِالْعِظْلِمِ۔**

بخدا میں نے عقیل کو دیکھا کہ وہ سخت فقر وفاقہ میں مبتلا تھے۔ وہ تمہارے گیہوں میں سے ایک صاع مجھ سے مانگ رہے تھے اور میں نے ان کے پریشان بچوں کو بھی دیکھا جو فقر وفاقہ کی وجہ سے سنولا گئے تھے اور معلوم ہوتا تھا کہ ان کے چہروں پر نیل لگا دیا گیا ہے۔

ان سب باتوں کے باوجود خود تاریخ نے جہاں یہ بات بتلائی ہے کہ حضرت عقیل معاویہ کے پاس چلے گئے وہاں یہ تصریحات بھی محفوظ کر لئے ہیں کہ علیؑ کے بھائی نے دشمن کے دربار میں پہنچ کر کیا کارنامہ انجام دیا ہے بھرے دربار میں معاویہ نے فرمائش کی کہ منبر پر جاؤ اور اپنے بھائی کے بارے میں وہ سب کچھ کہو جو اور دوسرے بندگان درہم ودینار کہتے ہیں۔ آج جوہر عقیلی کے نمایاں ہونے کا دن تھا۔ جرأت مندی کی تاریخ میں اس واقعہ کا بھی ایک مقام رہے گا۔ آپ منبر پر گئے اور فرمایا ایہاالناس گواہ رہنا کہ میں نے بہت کوشش کی مگر علیؑ نے مجھ کو اپنے دین پر ترجیح نہیں دی۔

اور اے لوگو! گواہ رہنا کہ یہ معاویہ ہیں جنھوں نے مجھے اپنے دین پر ترجیح دے دی ہے۔ اس مختصر سے جملہ کی بلاغت وجامعیت پر نظر کرو جس نے بیک وقت اظہار حق بھی کر دیا۔ دونوں شخصیتوں کی دینی حیثیت بھی واضح کر دی اور سر دربار سیاست امویہ کا سارا طلسم بھی توڑ کر رکھ دیا اور پھر اس موسوی ہیبت کے سامنے کسی میں مجال لب کشائی پیدا نہ ہوئی۔

کیا یہ واقعات وفقرات جو آج وقت کا پردہ چاک کر کے ہم تک پہنچ رہے ہیں خود جناب مسلم کے پیش نظر نہ رہے ہوں گے۔ اور کیا ان آوازوں کی بازگشت ان کے کانوں سے نہ ٹکرائی ہوگی۔ اور بعد میں حکومت کی شاطرانہ چالوں نے واقعات میں جو رنگ آمیزیاں کی تھیں کیا اس سے جناب مسلم بے خبر رہے ہوں گے؟ میں تو وجدانی طور پر محسوس کرتا ہوں کہ اس موقع پر تمام بنی ہاشم کی موجودگی میں نظر امامت کا انتخاب مسلم کے لئے صرف اسی وجہ سے تھا تاکہ عقیل کا فرزند اتنے دنوں کی اموی سیاست کے رہے سہے تار و پود بھی بکھیر کر ڈال دے اور دنیا کو پھر ایک مرتبہ غیر جانبدار ہو کر حق وانصاف سے حالات کے جائزہ لینے کا موقع فراہم ہو سکے۔۔ یہ پہلو بھی نظر انداز ہونے کے قابل نہیں کہ امام کوفہ ایسے مقام پر، جو مدت سے حکومت شام کے زیر اثر فوجی چھاؤنی ہونے کی وجہ سے شامی اقتدار کا گہوارہ بن چکا تھا جناب مسلم کو تنہا بھیج کر دشمنوں کو اس گذرے ہوئے واقعہ کی یاد دلاتے ہیں اور گویا یہ بتاتے ہیں کہ اگر تاریخ اپنے کو دہراتی ہے تو اسے آج بھی دہرانا چاہئے۔

دیکھو یہ اور کوئی نہیں عقیل کا فرزند ہے۔ اے کوفیو! اے شامیو! اگر تمھیں اپنی سیاست کے برحق ہونے کا گمان ہے، اگر اپنے عسکری طاقت پر گھمنڈ ہے تو اسے بھی اپنے دام تزویر میں پھنسالو۔

لیکن اسی ایک واقعہ سے امام کے کمال اعتماد اور جناب مسلم کے مرتبہ ایقان وایمان پر بھی روشنی پڑتی ہے اور یہی وجہ تھی کہ مسلم کو نیابت کی ایسی اہم اور عظیم ذمہ داری سونپ دی گئی۔ طبری نے امامؑ کے خط کی وہ لفظیں بھی محفوظ کی ہیں جن سے ہمارے خیال کی تائید ہوتی ہے۔ ''اچھا تو میں تمہاری جانب اپنے بھائی اور چچا کے بیٹے اور اپنے محل اعتماد عزیز قریب کو روانہ کرتا ہوں۔'' امامؑ نے اس ایک جملہ میں جناب مسلم کے چار خصوصیات بیان فرمائے ہیں، بھائی کے بعد چچا کے بیٹے کہنے کا غالباً یہی مطلب ہے کہ پہچان لو یہ عقیل کے فرزند ہیں۔ محل اعتماد کے بعد عزیز قریب کا اضافہ ایک ایسی حقیقت کی طرف توجہ دلاتا ہے جس سے محض مادی قربت کا اظہار نہ ہو بلکہ روحانی اور فکری مرتبۂ قرب واخلاص کا احساس بیدار ہو سکے۔

جناب مسلم امامؑ کے ان معصوم جذبات اور پاک خیالات کے امانت دار بن کر کوفہ پہنچے اور مختار بن ابی عبیدہ کے گھر مہمان ہوئے۔ سفیر حسینی کا یہ عمل خود اس امر کا ترجمان ہے کہ وہ حکومت وقت کے خلاف محاذ قائم کرنے یا کسی نئی سلطنت کے لئے زمین ہموار کرنے نہیں آئے تھے۔ بلکہ ایک نمائندہ حق کی حیثیت سے طالبان ہدایت کے اصرار پر ان کو اس روحانی مرکز اتحاد وعمل پر مجتمع کرنا چاہتے تھے جہاں سے اصلاح اخلاق، صفائے قلب اور ارتقاع روح کا سامان فراہم کیا جاسکے۔ جو دعوت اسلامی کے عظیم الشان رکن کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ نے وہ تحریر جو امام کی جانب سے بطور پیام تھی مجمع کو پڑھ کر سنا دی۔ دوستوں کے دل تڑپ اٹھے اور انھوں نے وفور جذبات میں انتہائی عقیدت ومودّت سے لبریز تقریریں کیں اور وفاداری کا یقین دلایا عابس بن شبیب شاکری، حبیب ابن مظاہر، سعید بن عبداللہ حنفی اور دوسرے صاحبان ایمان نے امام حسینؑ کے استقبال میں اپنے دلی جذبات واحساسات کا اظہار کیا۔ یہ خبر بجلی کی طرح ہر طرف دوڑ گئی اور چند ہی روز میں اٹھارہ ہزار کوفیوں نے امام کی قیادت روحانی تسلیم کرتے ہوئے نائب امام کے ہاتھ پر حضرت کے لئے بیعت کر لی۔ حالات کی بہتری اور اہل کوفہ کی بے قراری کا یہ عالم دیکھ کر مسلم مطمئن ہوئے اور امامؑ کو تشریف آوری کے لئے ایک عریضہ تحریر کر دیا۔ جس کے بعد ہی امام نے کوفہ کی طرف روانگی کا ارادہ فرما لیا۔ اس لئے کہ ظاہر حالات اور آپ کے عمل دونوں نے اتمام حجت کی وہ تمام منزلیں طے کرا دیں، جو ایک غیر متعصب اور غیر جانبدار انسان کی نظر میں قابل قبول ہو سکیں۔ آج کی علم کُش اور تہذیب سوز دنیا حسینی اقدامات کے بارے میں جو چاہے کہے مگر ایسی منصف مزاج ہستیاں بھی گذری ہیں جنھوں نے اس بے مثال عزیمت، دعوت اور تجدید ملت کے مرتبہ مخصوص کا انتہائی احترام کے ساتھ اعتراف کیا ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم جن کی علمی شخصیت کو ابھی دنیا نہ بھولی ہو گی اپنی ایک

تصنیف تذکرہ میں صفحہ ۱۳۴ پر تحریر فرماتے ہیں:

''عہد اوائل بنی امیہ میں کہ ابھی ہجرت کی پہلی صدی بھی ختم نہیں ہوئی تھی۔ کتنی بڑی جماعت اجلّہ صحابہ کرام اور ارکان بیعت نبوت وبقیہ صالحہ خیرالقرون کی موجود تھی؟ اور کون ہے جو ان کی عظمت وشرف میں ایک لمحہ کے لئے بھی شک کر سکے؟ لیکن بدعات ومحدثات بنو امیہ کے مقابلہ میں سرفروشانہ اقدام عزیمت وفتح باب مقاومت وثبات فی الحق والعدل کا جو ایک مخصوص مقام تھا وہ تو بجز حضرت امام حسین عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰبَائِهٖ وَاَجْدَادِهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ کے اور کسی کے حصہ میں نہ آیا۔''

اہل کوفہ کے اس ذہنی انقلاب کی خبریں برابر دارالخلافہ بھی پہنچ رہی ہوں گی اور اسی لئے یزید نے صورت حال پر قابو پانے کے لئے عبیداللہ ابن زیاد ایسے سفاک وبے رحم حاکم کو کوفہ کی گورنری پر مامور کر کے بصرہ سے یہاں منتقل ہونے کا حکم دیا۔ کوفہ پہنچتے ہی ابن زیاد کی سخت گیریوں اور دہشت سامانیوں نے نئے رجحانات کی ناپائدار تبدیلیوں کو ایک دم روک دیا وہ قلب ودماغ جو عرصہ سے استبدادی شکنجوں میں کسے ہوئے رہ چکے تھے آمریت وعسکریت کے دباؤ سے پھر مفلوج ہونا شروع ہو گئے۔ اور آزادی ضمیر اور حریت فکر کی جو ایک ہلکی سی کرن پھوٹ رہی تھی۔ شامی تشدد کے گھٹاٹوپ اندھیرے میں پھر غائب ہو گئی۔ حالات بالکل برعکس ہو کر سامنے آنے لگے۔ جناب مسلم نے اپنے کو خطرات میں گھرا ہوا پایا اور مختار کا گھر حفاظت کے لئے ناکافی معلوم ہوا تو مخفی طور پر ہانی بن عروہ کے گھر منتقل ہو گئے، جو اشراف کوفہ میں سے تھے۔ اور قبیلہ مراد ومذحج کے سردار بھی تھے۔ حکومت کی ریشہ دوانیوں نے آخر جناب مسلم کا پتہ چلا ہی لیا اور ابن زیاد کے غلام معقل نے ہانی کے مکان کی نشان دہی کر دی۔ جناب ہانی عتاب شاہی کا شکار ہو کر قید میں ڈال دیئے گئے اور اس طرح اب قربانی اہلبیتؑ کے نقطۂ آغاز کی نوبت آ گئی۔

وفادار مہمان نواز، مستقل مزاج اور صاحب ایمان وعمل ہانی کے حالات سن کر غیرت ہاشمی اور شجاعت مطلبی جوش میں آ گئی اور جناب مسلمؑ جناب ہانیؓ کی رہائی کے لئے بروقت اقدام پر آمادہ ہو گئے۔ آپ چار ہزار اہل کوفہ کو لے کر جو اس وقت تک آپ کے ساتھ تھے قصر شاہی تک پہنچ گئے۔ ابن زیاد قلعہ بند ہو گیا مگر عیاری اور غلط بیانی سے اس نے مسلم کے ساتھیوں کو اس درجہ خوفزدہ کیا کہ وہ آپ کا ساتھ چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ تاریخ نے ان چالوں کو بے نقاب کر دیا ہے مگر میں بخیال طوالت یہاں اس کا تذکرہ غیر ضروری سمجھتا ہوں۔ اب شام ہو چکی تھی۔ ہمراہیوں میں صرف تین آدمی رہ گئے تھے جو نماز مغرب کے بعد ہی ساتھ چھوڑ کر جا چکے تھے۔ سفیر حکومت ربانی حسینؑ کا نمائندہ اور کوفیوں کا مہمان تنہا بازاروں میں پھر رہا تھا کہ ایک عورت طوعہ نامی کے گھر میں رات بھر پناہ لینے کا موقع مل گیا مگر اس

کے لڑکے نے مخبری کر دی اور ابن زیاد کو اطلاع ہوگئی۔ صبح ہوتے ہی ایک تن تنہا مسلمؑ پر فوجوں کی یلغار ہوگئی۔ ہراولِ فوجِ حسینی اپنی عدیم المثال شجاعت کے ساتھ جنگ کرتے کرتے بے حد زخمی ہوگیا۔ مگر شیر بیشۂ رسالت روباہ صفت دشمنوں کی ٹڈی دل فوج کے قابو میں نہ آسکا۔

Every thing is fair in Love and War

محبت اور جنگ میں ہر چیز جائز ہے پر عقیدہ رکھنے والوں نے بے وطن مسلم کو ایک خس پوش گڑھے میں گرا کر گرفتار کیا اور ابن زیاد کے سامنے پیش کیا۔

دنیا کو آواز دو آئے اور عقیل کے فرزند مسلم کی آن بان دیکھے۔ حاکم وقت کا دربار، اقتدار حکومت کا مکمل مظاہرہ، فوجی حراست کا رعب داب، مستقبل کے حالات کی نمایاں عکاسی، اپنے ہر بن مو سے خون جاری۔ جس پر نظر پڑتی ہے وہ خون کا پیاسا مگر اللہ اللہ! یہ جرأت یہ بیباکی۔

ابن زیاد بغاوت کا الزام لگاتے ہوئے پوچھتا ہے کہ

''تم یہاں کیوں آئے تھے
باہمی تفرقہ ڈالنے اور فساد کرانے کے
لئے تاکہ خانہ جنگی کا بازار گرم ہو؟''

جناب مسلم نے فرمایا:

''نہیں میں اس لئے تو نہیں آیا تھا
بلکہ اس ملک کے لوگ یہ خیال کرتے
ہیں کہ تیرے باپ نے یہاں کے
اچھے لوگوں کو قتل کیا اور ناحق ان کے
خون بہائے اور وہ افعال واعمال رائج
کئے جو سلاطین جبار وقہار کرتے
ہیں۔ ہم صرف اس لئے آئے کہ
عدل وانصاف اور تعلیمات قرآن
کے مطابق لوگوں کو چلائیں۔''

اس جرات مندانہ جواب میں اپنی طرف سے صفائی، عہدہ سفارت کی تکمیل اور اقدام حسینی پر مکمل تبصرہ سب کچھ موجود ہے، اس کے ایک ایک لفظ پر غور کرو یہ اس وقت کے یزید وابن زیاد کو جواب تھا اور یہی جواب آج کے یزید وابن زیاد کی دریدہ دہنی کے لئے بھی کافی ہے۔

جب ظالم لاجواب ہوجاتا ہے اور ظلم بے بس تو پھر آخری حربہ استعمال کرنے پر اتر آتا ہے یعنی حق وانصاف کے گلے پر چھری پھیر دی جاتی ہے۔ حقیقت میں یہ اس کی فتح نہیں بلکہ شکست ہوتی ہے اور اس نقطہ سے مظلوم کی حقانیت کا آفتاب عالمتاب طلوع ہوا کرتا ہے جس کی روشنی تاریک دلوں کو بھی پرنور کرنے لگتی ہے۔ حق کے اس نقیب نے حقیقت حال پیش کر کے ابن زیاد کے لگائے ہوئے الزامات کو پاش پاش کر دیا۔ ابن زیاد کو مسلم کی اس بیباکی پر جھلاہٹ آگئی۔ اور اس نے حکم دیا کہ انھیں دارالامارہ کے چھت پر لے جا کر قتل کرو اور جسم کو نیچے پھینک دو، یہ پروانہ موت شہید راہ حق کے لئے مژدہ جنت ہوگیا۔ جناب مسلم تکبیر وتسبیح کرتے ہوئے نہایت تمکنت ووقار کے ساتھ کوٹھے کی طرف بڑھے اور کہتے جاتے تھے کہ بارالٰہا ہمارے اور اس قوم کے درمیان فیصلہ ومحاکمہ فرما جس نے

ہم پر ظلم توڑے اور ہمیں ذلیل ورسوا کیا۔ بکیر بن حمران احمری نے مسلمؑ کو شہید کیا اور لاش سڑک پر گرادی۔

یہ اس ظلم کی مختصر روئداد تھی جو سفیر حسینی پر کیا گیا۔ ان کی شہادت نے وقتی طور پر کوفہ کی فضا بدل دی اور یہ بھی صحیح ہے کہ اس کے بعد ہی منزل کرب و بلا قریب تر ہوگئی مگر اس واقعہ پر دنیائے انسانیت وشرافت آج تک آواز احتجاج بلند کررہی ہے۔ اسلامی تاریخ کے وہ مواقع بھی ہمارے سامنے ہیں جب عہد فاروقی میں اسلام کے سفراء نوشیروانی مقبوضات میں بمقام مدائن پہنچے اور بقول علامہ شبلی بیبا کی ودلیری ان کے چہروں سے ٹپکتی تھی۔ یزدگرد کے دربار میں کچھ اس انداز کی گفتگو ہوئی کہ وہ غصہ سے بیتاب ہوگیا۔ اور کہا کہ

''اگر قاصدوں کا قتل جائز ہوتا تو تم میں
سے کوئی زندہ بچ کر نہ جاتا۔''

ایک دوسرے موقع پر جب اسلامی سفیر خالد رومیوں کے لشکر گاہ میں پہنچے تو بقول علامہ شبلی:

''سپہ سالار (باہان) نے نہایت احترام
کے ساتھ استقبال کیا اور اپنے برابر
بٹھایا۔''

اس طرح ایک اور موقع پر جب عجمیوں کی خواہش پر مغیرہ بن شعبہ بہ حیثیت سفیر دربار میں پہنچے تو مردان شاہ اور ان کے درمیان درشت لہجہ میں بہت سخت گفتگو ہوگئی۔ حتیٰ کہ مردان شاہ نے کہا:

''یہ قدر انداز جو میرے تخت کے اردگرد
کھڑے ہیں ابھی تمہارا فیصلہ کردیتے
لیکن مجھ کو یہ گوارہ نہیں کہ ان کے تیر
تمہارے ناپاک خون میں آلودہ ہوں اب
بھی تم اگر یہاں سے چلے جاؤ تو میں تم کو
معاف کردوں گا۔''

اس جملہ سے ظاہر ہے کہ دشمن انسانی تقاضوں کے شکنجہ میں اپنے کو بے بس پا کر اظہار غم وغصہ پر اکتفا کررہا ہے وہ بلائے ہوئے قاصد کا خون کرنا خلاف انسانیت ودیانت سمجھتا ہے۔ دیکھو ان واقعات سے اندازہ ہوگا کہ یہ انسانی تاثرات اور اخلاقی تصورات ایک ایسی جماعت کے ظاہر ہوئے جو ابھی اسلام کے روحانی نظام سے وابستہ نہیں ہوئی ہے، بلکہ اسلام کی زریں تعلیمات سے یکسر نا آشنا ہے۔ اب اہل اسلام بلکہ پوری دنیائے انسانیت کے لئے یہ موقع ایک لمحہ فکر یہ پیدا کرتا ہے کہ دعوت اسلامی کے قبل منکرین حق سے جن انسانی خصائص کا ظہور ہوا تھا آخر وہ باتیں پیغام ربانی اور تعلیم روحانی کے بعد حلقہ بگوشان اسلام کے اندر کیوں مفقود ہوگئیں؟ ہر شخص کو اختیار ہے کہ وہ حالات پر تنقیدی نگاہ ڈالے اور تاریخ اسلام سے اس سوال کے جواب کا مطالبہ کرے لیکن مجھے صرف یہی کہنا ہے کہ کتاب شہادت کی تدوین اخلاق اسلامی کے انھیں بھولے ہوئے اسباب کو یاد دلانے کے لئے کی گئی۔ جس کا افتتاحیہ کوفہ میں مسلمؑ بن عقیلؑ تھے اور تتمہ کربلا میں حسینؑ ابن علیؑ۔

❁❁❁